جناب شفیق الاسلام فاروقی
انٹرویو :رابرٹ فسک

گوانتاناموبے نام کی بدنامِ زمانہ امریکی اذیت گاہ میں
''چینل الجزیرہ'' کے ایک بے گناہ صحافی کی اذیت ناک سرگزشت

یہ انٹرویو رابرٹ فسک نے ۸/اکتوبر ۲۰۰۸ء کے روز معروف ٹی وی چینل ''الجزیرہ'' کے صحافی سمیع الحق (انٹرویو میں صحافی کا نام سمیع الحج لکھا ہے جو کہ غلط معلوم ہوتا ہے) سے ناروے کے ایک قصبہ'' لِلی ہیمر'' Lille Hammer کے ایک ہوٹل میں لیا۔ جس کو امریکی حکومت کے کارندوں نے تمام تر شرمناک اذیتیں پہنچانے اور اپنے شیشہ میں اتارنے کے لئے تمام ترغیب وتحریص کے باوجود ماسوائے موت سے ہمکنار کرنے کے تمام حربے پورے چھ سال آزمائے' لیکن ناکام رہے' تاہم ایہ اذیت ناک داستان اس دنیا میں گنتی کے چند افراد کے لئے بے حد حوصلہ افزا ہے' جبکہ اکثریت کہیں ذاتی مفادات کی خاطر' کہیں بزدلی سے' کہیں مایوس کن حالات کی وجہ سے اور کہیں دین وسیاست کو علیحدہ دیکھنے کی وجہ سے کوئی بڑا انقلاب لانے کے لئے تیار نہیں۔ پھر اس داستان کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اس صحافی نے خود نہ اس ابتلا کو دعوت دی اور نہ اسے اس کا علم تھا' لیکن جب زندہ ضمیر اور حق وباطل کی جنگ میں اسے ایک امتحان میں ڈالا گیا' کہ حق کا ساتھ دے جس میں ابتلاء ہی ابتلا اور ایک سے دوسری بڑھ کر ابتلا ہے' یا باطل کا ساتھ دے' جس میں ہر طرح کا سامان عیش اور عشرت ہے' تو ضمیر نے پہلا راستہ اختیار کرنے کی آواز دی' اور چھ سالہ اذیت ناک داستان ان الفاظ میں ہے کہ الجزیرہ ٹی وی چینل کا یہ صحافی قریباً چھ سال بدنام زمانہ گوانتاناموبے اذیت گاہ میں گزارنے کے بعد جو ایک انتہائی اذیت ناک خواب تھا' اب ایک فولادی بیساکھی کے سہارے بہ مشکل چل سکتا ہے' اب دوسروں کی نظر میں باعث فخر وعزت اور اذیت دینے والوں کے لئے باعث شرم ہے۔

چھ سال گوانتاناموبے کے اذیت خانوں میں رکھنے اور شرمناک اذیتیں دینے کے بعد جب امریکیوں نے اسے رہا کیا تو انہیں نے رہا کرتے وقت کہا کہ انہوں نے اس پر جو ظلم وزیادتیاں کیں' اس کی جو توہین وبے عزتی کی اور اس سے تفتیش کے دوران جو رویہ اختیار کیا' اس کا انہیں افسوس ہے، امریکی' برطانوی اور کینڈین تینوں افسران شامل تھے۔

سمیع الحق جو ''الجزیرہ'' ٹی وی چینل کا ایک کیمرہ مین صحافی تھا' اور اب اس کی عمر اڑتیس سال ہے' امریکی انتظامیہ نے اس کے خلاف کسی جرم کا الزام لگایا' اور نہ ہی کسی عدالت میں اس کے خلاف کوئی مقدمہ چلایا' البتہ اس کے بارے میں ریکارڈ یہ ثابت کرتا ہے کہ ساڑھے چھ سال کے عرصہ میں اسے تین مختلف عقوبت خانوں میں منتقل کیا گیا' ہار

بار جبر وتشدد اور مار پیٹ کی گئی۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ کوئی ''مشتبہ'' دہشت گرد تھا' بلکہ اس وجہ سے کہ اس نے امریکی جاسوس بننے سے انکار کر دیا۔ یہ عمل اس وقت شروع ہوا جب امریکہ نے ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعہ کے بعد افغانستان پر خوفناک بمباریوں کے بعد بطور فاتح کابل' قندھار شہروں میں اپنی فوجیں اُتار دیں۔ تو سمیع الحق بطور ''الجزیرہ'' ٹی وی چینل کیمرہ مین صحافی قندھار میں تھا' چنانچہ پہلے ہی روز گرفتار کر کے جیسا کہ وہ جانتے تھے کہ وہ ایک صحافی اور بے گناہ ہے' قندھار سے گوانتاناموکی پرواز تک امریکی افسروں کا صرف یہی ایک مطالبہ تھا کہ وہ بطور ایک جاسوس امریکہ کے لئے کام کرے۔ چنانچہ جہاں وہ بہ ظلم وجبر سے اس کام کے لئے مجبور کرتے تھے' اس کیساتھ اس کے بے گناہ ہونے کے اعتراف کیساتھ یہ احسان جتاتے تھے کہ اس کا ایک جاسوس کے طور پر کام کرنا ان کیلئے بڑا ''اثاثہ'' ہوگا' جوان کے الفاظ سے ظاہر ہے: ''ہم خوب جانتے ہیں کہ تم بے گناہ ہو اور گرفتار کر کے غلط کام کیا ہے، لیکن ہم تم سے صرف ہمارے لئے جاسوسی کا کام چاہتے ہیں''

میرے منہ میں جاسوسی کا کام انجام دینے کے لئے کوئی دو مرتبہ انہوں نے مجھے آزمائش میں ڈالا کہ:

''تم کو امریکی شہریت دی جائے گی، تمہاری بیوی اور بیٹا تمہارے ساتھ ہوں گے، ہم تمہاری اور ان کی حفاظت کریں گے اور ہر طرح کے سامانِ عیش وعشرت دیں گے.....وغیرہ وغیرہ''

جس پر میں نے ان کو جواب دیا: ''یہ میں کسی صورت میں بھی نہ کرسکوں گا کہ میں ایک صحافی ہوں اور بطور صحافی اپنے فرائض انجام دے رہا ہوں، میں زخمی بھی ہوسکتا ہوں، موت بھی مجھے آسکتی ہے اور زندہ بھی بچ سکتا ہوں، بہر حال اگر تم لوگوں کے ساتھ کام کروں گا تو القاعدہ کے افراد مجھے ہلاک کر سکتے ہیں اور اگر تمہارے لئے کام نہ کروں تو تم بھی مجھے ہلاک کر سکتے ہو، دونوں صورتوں میں میرے لئے موت ہے، لیکن تمہاری پیشکش مجھے قبول نہیں۔''

سراج الحق کی اس سرگزشت کا آغاز ۱۵ر دسمبر ۲۰۰۱ء سے شروع ہوا جب ایک دوسرے ساتھی صدر الحق کے ساتھ پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد سے افغانستان میں قندھار کے لئے روانہ ہوا، صدر الحق افغانستان کی امریکہ کی سرپرستی میں نئی افغان عارضی حکومت کی خبریں کسی عرب ٹی وی سٹیلائیٹ چینل مہیا کرنے پر مامور تھا۔ کوئی ستر دیگر صحافی پاکستان سے براستہ چمن افغانستان جارہے تھے، کہ ایک امریکی آفیسر نے اسے چمن میں روک لیا اور کہا:

''پاکستانی انٹیلی جنس سروس نے اس کی گرفتاری کے کاغذات بھیجے ہیں''

لیکن کاغذات میں میرے نام کے ہجے غلط ہونے کیساتھ میرے پاسپورٹ کا نمبر بھی غلط تھا۔ کاغذات میں میرا سال پیدائش ۱۹۶۴ تھا جب کہ میرا اصل سال پیدائش ۱۹۶۹ء ہے۔ میں نے اس آفیسر سے کہا کہ اسلام آباد میں میں نے اپنے ویزے کی تجدید کروائی ہے، اگر مجھے گرفتار ہی کرنا تھا تو اسلام آباد میں کیوں گرفتار نہیں کیا گیا؟''

سراج الحق کے انداز گفتگو میں بڑی آہستگی اور احتیاط ہے اور اپنی اور دیگر افراد کی اذیت ناک زندگیوں کی

تفصیلات یکساں طور پر اہم ہیں۔ ابھی بھی اس کو یقین نہیں آتا کہ وہ آزاد زندگی کا مالک ہے اور ناروے میں کسی کانفرنس سے مخاطب ہو اور پھر ایک بار الجزیرہ چینل میں دوبارہ بطور ایک ''نیوز پروڈیوسر'' کام کرنے کا موقع ملے اور اپنی الجزائری اہلیہ اسماء اور اپنے آٹھ سالہ فرزند محمد کیساتھ دوبارہ فیملی لائف گزارے کہ جب سراج الحق کو اسکے ظالم امریکی آقاؤں نے اسے پراسرار طریقہ سے گوانتاناموکے اذیت ناک جزیرہ میں اذیت ناک زندگی گزارنے کیلئے غائب کیا تھا تو اس کے بچے کی عمر صرف چودہ ماہ تھی۔

سراج الحق کی سرگزشت ان دیگر امریکی قیدیوں کی طرح کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، جن کو اولاً پاکستان سے افغانستان کے ہوائی اڈوں میں لایا گیا اور بعدازاں ان کو گوانتاناموں منتقل کیا گیا۔ جب ہوائی سفر کیلئے ایک بار پھر اسلام آباد پرواز کی، جو کوئی ڈیڑھ گھنٹہ کی پرواز کی تھی، جہاں سے دیگر قیدیوں کو جمع کر کے اسلام آباد سے افغانستان میں امریکی ہوائی اڈہ ''بگرام'' اتارا گیا۔

یہاں ہم صبح صادق کے وقت پہنچے اور پاؤں میں آہنی بیڑیاں ڈال دیں اور جہاز سے باہر دھکیل کر اتار دیا گیا اور پاؤں سے ایک ٹھوکر جسم پر ماری اور ایسی جگہ لایا، جہاں تار کول بچھایا ہوا تھا۔ یہاں میں نے لوگوں کے چیخنے چلانے اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔ جس انداز سے ان ظالموں نے مجھے جہاز سے باہر پھینک کر اتارا میری دائیں ٹانگ کو سخت چوٹ آئی اور میں ایسے محسوس کر رہا تھا جیسے میرے اعضا چور چور ہو رہے ہیں۔ اسکے بعد میں جب زمین پر گر پڑا تو مجھے ان ظالموں نے پیٹ کے بل لٹا کر میری پیٹھ پر کودنا شروع کیا۔ پہلے انہوں نے میری پشت پر کودنا شروع کیا، پھر جب میں نے اپنی ٹانگ کی طرف دیکھنا شروع کیا اس پر انہوں نے میری ٹانگ پر ٹھوکریں مارنا شروع کر دیں اور ایک امریکی سولجر نے چلا کر مجھے کہا: ''تم امریکیوں سے لڑنے آئے ہو'' انہوں نے مجھے میرا قیدی نمبر دیا۔ جو قیدی نمبر 35 تھا اور کسی نام کی بجائے مجھے اس نمبر سے ہی مخاطب کیا جانے لگا۔ جس پہلے امریکی سولجر نے چیخ کر مجھے مخاطب کیا اس نے کہا کہ ''تم نے بن لادن کی فلم بنائی ہے۔'' اس پر میں نے کہا کہ ''میں ایک صحافی ہوں اور میں نے بن لادن کی فلم نہیں بنائی ہے پھر میں نے دوبارہ اسے اپنا نام، اپنی صحیح عمر اور قومیت بتائی''

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ مجھے اسلام آباد سے بگرام امریکی ہوائی اڈے کے اذیت خانے میں منتقل کیا گیا، یہاں سولہ دن کے بعد ایک اور فضائی پرواز سے قندہار امریکی ہوائی اڈے لایا گیا۔ جہاں پہلے سے قیدیوں کی خاصی تعداد تھی، جہاں ہم سب کو زمین پر اوندھا لٹایا گیا اور انگریزی میں ''ماں بہن کی گالیوں'' کیساتھ ہماری پیٹھوں پر ناچنا کودنا شروع کیا۔ میں نے ان سے سوال کیا، کہ ''تم ایسا کیوں کر رہے ہو'' لیکن سنی ان سنی کئے بغیر ایک سولجر مجھے ایک ٹینٹ میں لے آیا، مجھ پر کوڑے برسائے اور میری داڑھی اور بالوں کو بری طرح نوچا۔ اسکے بعد میری آنکھوں کے پپوٹوں کی تصویر اتاری (جس سے میری ہیبت ناک شکل دیکھی جاسکے) اسکے بعد ایک ڈاکٹر آیا اور میری پشت پر خون blood

دیکھ کر سوال کیا کہ ایسا کیوں ہے؟ میں نے اسے جواب دیا کہ وہ خود خیال کرے کہ میرے ساتھ کیا بیت رہی ہے؟

اب ایک بار پھر مجھ سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ اب میں قیدی نمبر 448 تھا۔ لیکن جہاں ایک طرف میرے ساتھ یہ سلوک روا تھا وہاں مجھ سے یہ مذاق بھی جاری تھا کہ میں غلطی سے ایک قیدی ہوں۔ اس کے بعد سویلین کپڑوں میں جو غالباً ایک مصری تفتیشی افسر تھا، مجھ سے تفتیش کے لئے آیا، اور مجھ سے سوال کیا، کہ یہ "قیدی" جو یہاں ہیں، کون ان کا لیڈر ہے۔ احمد شاہ مسعود طالبان مخالف لیڈر کس نے قتل کیا ہے؟ جس پر میں نے اس سے کہا کہ "میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ میرا شعبہ ہے، ابھی اس سے بات جاری تھی کہ ایک امریکی سولجر درمیان میں آیا اور مجھ سے مخاطب ہوا۔ "ہم سے تعاون کرو اور تمہیں رہا کر دیا جائے۔" جس کا بہ الفاظ دیگر یہ مطلب تھا کہ میں امریکہ کے لئے کام کروں۔ پھر اس کے ساتھ ایک اور شخص آیا، میرے خیال میں وہ کوئی برطانوی تھا، جس کی عمر 35 سال کے قریب ہوگی اور بڑی شگفتہ انگریزی زبان تھی، بغیر کسی "ٹائی" سویلین لباس میں تھا اور مجھے کھانے کو بڑی عمدہ چاکلیٹ کا پیکٹ دیا اور میں اتنا بھوکا تھا کہ دل چاہا اسے پیکٹ سمیت کھا جاؤں۔

اب 13 جون 2003ء کے روز اُسے ایک جیٹ ہوائی جہاز میں سوار کیا گیا اور نیا قیدی نمبر 345 دیا گیا۔ اور ایک بار پھر اس کا سر سیاہ ٹوپے سے ڈھانپ دیا گیا۔ "ٹوپا" اُڑھانے سے اسے زبردستی دو گولیاں نگلوائی گئیں اور آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ دی گئی اور بارہ تا چودہ گھنٹے کی پرواز کے بعد جہاز "گوانتانامو" اُترا۔ جہاں ایک کشتی کے ذریعے اذیت ناک قید خانے لایا گیا۔ جہاں ایک محافظ کے ساتھ ایک طبی کلینک بھی تھا اور اب پھر وہی سوال جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا اور کہا کہ "ہم نے تمہارے ابتدائی بیان اور جوابات کا جائزہ لیا ہے" کہ ایک صاحب بول اٹھے "غلطی سے تم یہاں لائے گئے ہو اور تمہیں رہا کر دیا جائے گا اور رہائی پانے والوں میں تم پہلے شخص ہو گے، انہوں نے مجھے اپنے بیٹے کی تصویر دی، جو انہوں نے میرے بیگ سے نکالی تھی، اس کے بعد انہوں نے پوچھا "کچھ اور چاہیے؟" میں نے جواباً کہا کہ "مطالعہ کیلئے کوئی کتاب ہو دے دو" ایک صاحب نے کہا کہ "عربی میں الف لیلہ کا نسخہ ہے" جس کی فوٹو کاپی کرا کر اس نے مجھے دے دی اور ساتھ ہی انٹرویو لینا شروع کر دیا اور کہا کہ "تم قندھار میں برطانوی انٹیلی جنس افسر سے کیوں لمبی چوڑی باتیں کرتے رہے ہو؟" میں نے کہا کہ "مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کوئی برطانوی ہے" جس پر انہوں نے کہا کہ "وہ برطانوی ہی تھا"

گوانتانامو آئے اب جیل میں دو ماہ گزر چلے تھے، دو ماہ بعد وہ برطانوی انٹیلی جنس افسر میرے پاس آئے جو مجھ سے یہ جاننا چاہتے تھے کہ کن کن افراد سے میرا میل جول ہے؟ جس پر میں نے ان کو جواب دیا کہ "اس بارے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔" اس کے بعد گوانتانامو کے سینئر تفتیشی افسر سٹیفن روڈریگویز نے اپنا تفتیشی عمل شروع کیا جو حسب سابق مجھے اپنے شیشے میں اتارنا تھا۔

اس نے مجھ سے کہا کہ ''جو خرابی واقع ہوگئی ہے، ہم چاہتے ہیں، وہ دور ہو۔ میں تمہیں اس پر غور کرنے کے لئے ایک موقع دیتا ہوں کہ تمہیں امریکی شہریت دی جاسکتی ہے تمہاری فیملی کو ہر طرح کی سہولتوں سے نوازا جاسکتا ہے اور رہائش کیلئے ایک بڑا اچھا ''ولا'' villa تمہارے بیٹے کی مفت تعلیم ہوگی اور تمہارا ایک بڑا بینک اکاؤنٹ ہوگا۔ وہ اپنے ساتھ کچھ عربی جرائد لایا تھا۔ جو اس نے مجھے مطالعہ کے لئے دیئے اور میں نے لے لئے۔ یہ گفتگو کوئی دس منٹ جاری رہی، اس دوران میں نے یہی محسوس کیا کہ اصولوں کی خاطر مجھے کتنی صعوبتیں برداشت کرنی ہوں گی۔ اس کے جانے کے بعد چند امریکی سولجر آئے اور مجھے اپنی جیل میں چھوڑ گئے۔ اور عربی جرائد مجھ سے لے کر چلتے بنے۔

2003ء کے موسم گرما میں سراج الحق سے ملنے کی لئے عجیب طرح کے لوگ آتے رہے، ایک مرتبہ کینیڈین انٹیلی جنس کے دو آفیسر آئے اور بے شمار تصاویر دکھا کر مجھ سے سوال کیا کہ میں ان میں سے کن کو جانتا ہوں؟'' میں نے جواباً کہا ''کسی کو نہیں'' دو صد سے زائد تفتیشی سوالات میں وہ بار بار قطر میں ''الجزیرہ'' چینل مالکان کے بارے میں پوچھتے رہے، ایک مجلس میں ایک امریکن نے اس سے کہا:

''جب تم یہاں سے رہائی پا جاؤ گے، القاعدہ والے تمہیں بھرتی کرلیں گے، ہم جاننا چاہتے ہیں کہ تم کس سے ملو گے، تم ایک تجزیہ نگار ہو سکتے ہو، مناسب ہوگا کہ تم ہمیں معلومات بہم پہنچاؤ، جس کی ہمیں تمہیں تربیت دے سکتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ القاعدہ اور الجزیرہ میں باہمی رابطہ ہے، تم بتاؤ کہ القاعدہ را لجزیرہ کی کیا تنخواہیں ہیں؟''

میں نے اسے جواب دیا کہ ''اولاً تو بطور ایک دیانتدار صحافی یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ ثانیاً یہ کہ اس سے مجھے اپنی اور اپنی فیملی کی جانوں کا خطرہ ہے۔''

نوٹ: دوسرا جواب رابرٹ فسک کا اپنا وضع کردہ ہے کہ وہ ایک مغربی صحافی ہے کہ وہ سراج الحق کو اسلام کا شیدائی ہونے کی بجائے ''اصول پرست قرار دیتا ہے''

اسکے بعد بھی وقتاً فوقتاً تفتیشی سلسلہ جاری رہا، لیکن تفتیشی افسر خود کوئی مار پیٹ نہیں کرتا تھا، لیکن ''گارڈ'' جب بھی ان کے دل میں آتا تھا یہ کام کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ مجھے قید تنہائی میں رکھا گیا، جسے ہم نے ''نومبر بلاک'' کا نام دے رکھا تھا۔ یہ سلسلہ دو سال جاری رہا اور ہر طرح کی اذیت سے کام لیا گیا۔ میں دعا کرتا تھا کہ اے خدا' مجھے اس عذاب سے نجات دلا۔ لیکن یہ لوگ تھے کہ بلاوجہ اذیت دینے میں خوش ہوتے تھے اور تفتیشی عمل میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں سخت تنگ کر دیتے تھے اولاً تو دس ماہ کوئی خط ڈیلور نہیں کیا گیا، بعد ازاں جو خطوط دیئے گئے، اپنی مرضی کے خلاف بعض حروف مٹا دیئے جاتے حتیٰ کہ میرے بیٹے کے خطوط بھی نہ دیتے۔ البتہ راڈری گویز مجھ سے یہ بار بار مطالبہ کرتا رہا کہ میں امریکہ کیلئے کام کروں۔ ___ تنگ آ کر جنوری 2007 میں سراج الحق نے بھوک ہڑتال شروع کردی اور جیل حکام سے مطالبہ کیا: ''میں سول عدالتوں میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا ہوں۔ امریکی سپریم کورٹ میں بھی اسکی اجازت ہے، پھر

بطور ایک مسلمان میں اپنی نمازوں کی ادائیگی پر کوئی پابندی برداشت نہیں کرسکتا ہوں۔ میری اس بھوک ہڑتال پر انہوں نے مجھے تیس دن بھوکا رکھا۔ پھر مجھے آہنی سلاخوں سے ایک کرسی سے باندھ دیا گیا پھر ناک کے ذریعہ معدہ تک خوراک پہنچانے کیلئے ایک لمبی ٹیوب استعمال میں لائی گئی، اتنی لمبی بعض مرتبہ پھیپھڑوں تک جا پہنچتی تھی اور جو خوراک ان نلکیوں کے ذریعے دی جاتی تھی وہ دیگر تمام قیدیوں کی طرح فُضلہ اور غلاظت ہوتی تھی جبکہ جو عملہ ہمیں یہ خوراک دیتا تھا وہ کہتے تھے کہ یہ ڈاکٹروں کی منظور شدہ ہے، ان کو ڈاکٹروں کا نام دیئے جانے کی بجائے اذیت دہندگان کہنا صحیح ہوگا جبکہ یہ عملہ مجھے زیادہ سے زیادہ مقدار میں بذریعہ نلکی پہنچاتا تھا، جتنا میرا معدہ جذب کرسکے۔ انہوں نے گندگی کی چوبیس بڑی بالٹیاں ہم سب قیدیوں کے کھانے کیلئے لائے جو ہم نے پھینک ماریں جس پر انہوں نے ہمیں معدہ صاف کرنے والے Laxatius دیئے۔ ان کے اس عمل سے میرے پیٹ کے نیچے کا ایک غدود متاثر ہوا اور معدہ کی تکالیف بڑھ گئیں۔ اس پر بھی ان ظالموں نے ہم پر پینے کا پانی بند کردیا۔''

سراج الحق کا کہنا ہے کہ اس کی یہ بھوک ہڑتال 480 دن جاری رہی۔ جس وجہ سے اس کی صحت بری طرح بگڑ گئی، یہاں تک کہ ٹانگوں کے درمیان نچلی جگہ سے خون نکلنا شروع ہوگیا۔ اس کے بعد ان ظالموں کو میری رہائی کی سوجھی۔ لیکن اب تفتیشی عملہ نیا تھا۔ جس نے ایک بار پھر وہی دنیاوی لالچ و ترغیب کے چکمے دیئے اور پھر یہی سوال کیا'' کیا تم ہمارے لئے کام کروگے؟'' ہمیشہ کی طرح میرا جواب نہیں تھا۔ البتہ ساتھ یہ کہا کہ کئی سال جہاں میں نے سالہا سال تمہاری بے مثال مہمان نوازی کا شکر گزار ہوں وہاں اس امر کا بھی شکر گزار ہوں کہ اتنا عرصہ میں ایک صحافی تمہارے درمیان رہا ہوں۔ اب میں بیرونی دنیا کو اصل حقائق سے آگاہ کروں گا۔ اب رہائی کیلئے کسی عجلت میں نہیں ہوں، کیونکہ یہاں کئی دیگر رپورٹروں کی سرگزشتیں ہیں۔

انہوں نے مجھ سے کہا: ''کیا ہم نے تمہارے ساتھ مہربانی سے کام لیا ہے؟'' میں نے پلٹ کر کہا: ''میری تو کوئی حیثیت نہ تھی، لیکن تم لوگوں نے مجھے ہیرو بنادیا ہے۔'' ان کے ذہنوں میں بن لادن کی شخصیت ہی منڈلا رہی تھی، چنانچہ مجھ سے کہا: ''ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ بن لادن کا تم سے رابطہ ہے''

اسی شب مجھے انہوں نے ہوائی جہاز میں سوار کیا، یہ تفتیشی مجھ سے آنکھیں لڑا رہے تھے، لیکن پیچھے ایک سٹین کا جال Tennis Net تھا انہوں نے ہاتھ ہلا کر مجھے رخصت کیا، میں نے بھی جواب میں ہاتھ ہلائے۔

سراج الحق نے اپنی سرگزشت میں برطانوی اور کینیڈین افسروں کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ دونوں حکومتیں اس امر کا انکار کرتی ہیں جبکہ صدر بش جو عراق پر حملہ کے بعد ''الجزیرہ'' ٹی وی چینل کے ہیڈ کوارٹرز پر بمباری کرنا چاہتا تھا محض اسی وجہ سے تاخیر کرتا رہا، کہ کسی نہ کسی طرح ''سراج الحق'' قیدی نمبر 345 کو اپنا آلہ کار بننے کے لئے رام کرلے۔ لیکن کفار کو یہ اندازہ نہیں ہے کہ بندۂ مومن چند افراد ہی ہوا کرتے ہیں، جو کفر کی طرح کی مادی، اسلحی اور افرادی برتر قوت کو

ہلا دیا کرتے ہیں۔ آخر روس کی تباہی کے بعد امریکہ کی نظروں میں صرف اسامہ بن لادن ہی کی شخصیت تھی کہ اس کو عالمی امن کا دشمن دہشت گرد قرار دے کر اسے زندہ یا مردہ گرفتار کر کے افغانستان پر حملہ کر کے اس پر قابض ہوجائے۔ چنانچہ 11 ستمبر کا ڈرامہ اسی لئے رچایا گیا کہ افغانستان میں ملا عمر کی اسلامی حکومت بن لادن کو امریکہ کے حوالے کردے۔ لیکن ملا عمر بندۂ مومن کی اسلامی غیرت وحمیت نے ہر طرح کی پیش کش ٹھکرا کر امریکی مادی قوت کی برتری کے غرور کو چیلنج کیا کہ ان کی قوت ایمانی کے سامنے دنیا بھر کی مادیہ برتری کی قوت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اور ان کے مقابلہ میں جتنی بھی بڑی سے بڑی فوج اور کھربوں ڈالر جنگی اخراجات خرچ کریں گے وہ قوت ایمانی کے جذبہ سے ان کے خلاف آخری دم تک ڈٹے رہیں گے۔ چنانچہ ایک طرف گنتی کے یہ چند ہزار افراد نے کئی کئی ہزار ٹن وزنی بموں کی بمباری کو ذرا اہمیت نہ دی اور مقابلہ کیلئے پہاڑیوں میں اپنے اڈے قائم کر کے گزشتہ نو سال سے ایسی عدیم المثال جنگ کی تاریخ رقم کی کہ ملا عمر اور اسامہ بن لادن کے نام جاوداں بن گئے ہیں، جبکہ صدر بش جس بری طرح سے صدارت سے خائب وخاسر ہو کر رخصت ہوا کہ دنیا نہ صرف اس پر بلکہ امریکہ کو ایک قابل نفرت ملک سمجھتی ہے، جبکہ جہاں تک جنگ کا معاملہ ہے وہ ''نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن'' ہے۔ خود امریکی دانشور کھل کر یہ کہتے ہیں کہ جتنی مزید فوج بھیجو گے اتنی تباہی مول لو گے۔''

بدقسمتی سے بش کے بعد اوباما نے بھی کوئی سبق نہیں لیا۔ آج افغانستان کی سرزمین پر دو لاکھ کے قریب امریکی اور اس کے اتحادیوں کی افواج ہیں۔ جو فتح سے مایوس ہو کر جرنیل کے بعد جرنیل تبدیل کئے جاتے ہیں جبکہ اب یہ جرنیل بھی فتح سے مایوس ہو کر جنگ بند کرنے اور افواج اپنے اپنے ممالک واپس کرنے پر زور دیتے ہیں۔ لیکن ان کا مشورہ نہ ماننے پر یہ جرنیل امریکی صدر اور اس کی کابینہ کا کھلے بندوں مذاق اُڑاتے ہوئے برطرف ہونا قبول کرتے ہیں۔ لیکن جنگ کے حامی نہیں کہ ان کے اپنے امریکی سپاہی بھائی بلاوجہ موت کا شکار ہو رہے ہیں، ان کے خاندان کسمپرسی کی حالت میں ہوتے ہیں، جبکہ دوسری طرف نو سال قبل صدر بش کی امریکی حکومت نے خوفناک بمباریوں کے بعد ہزار ہا باریش بے گناہ افغان شہریوں کو ڈبوں میں بند کر کے گوانتاناموتنقل کیا اور نو سال سے ان ہزار ہا قیدیوں کے ساتھ وہ بدترین سلوک کیا جا رہا ہے کی مثال ''الجزیرہ'' ٹی وی چینل کے کیمرہ مین سراج الحق ہے۔

ایسے میں اولاً پرویز مشرف کے ڈوب مرنے کا مقام تھا کہ ہر طرح کی بری، فضائی، اور بحری کئی لاکھ فوج کا آرمی چیف ہوتے ہوئے ایسی ظالم بزدل ترین کافر حکومت کی تابعداری قبول کی جس کا نمونہ اوپر بیان ہوا ہے اور اب اس کے بعد جوکر Joker قسم کے صدر زرداری جس کو صدر لکھتے ہوئے ہاتھ کانپتا ہے کہ یہ شخص محمد شاہ رنگیلا سے بھی زیادہ رنگیلا مزاج ہے۔ ملک پر سیلاب کی آفت آئی ہوئی ہے اور یہ شخص غیر ملکی سیر وسفر میں مصروف ہے۔ ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ ایسا ہی سیر وسفر کا شوق ہے تو ایک مرتبہ گوانتاناموبھی ہو آئے اور ایک رات ان کے ساتھ گزارتے ۔ اپنے وزیروں رحمٰن ملک، بابر اعوان وغیرہ کو بھی وہاں کی سیر کرائے۔